تمہید

یہ تمہیدی آیت، معمولی تغیرِ الفاظ کے ساتھ، پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے۔ سابق سورہ میں صیغۂ ماضی 'سَبَّحَ' آیا ہے اس میں 'یُسَبِّحُ' ہے جو تصویرِ حال کا فائدہ دے رہا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بیان ہوئی ہیں۔ 'اَلْمَلِکُ' جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ 'اَلْقُدُّوْسُ' جس کے معنی ہر نقص و عیب سے پاک کے ہیں۔ 'اَلْعَزِیْزُ' جس کے معنی، جیسا کہ بار بار واضح کیا جا چکا ہے، غالب و مقتدر کے ہیں۔ 'اَلْحَکِیْمُ' وہ ذات جس کے ہر قول و فعل میں حکمت ہے۔ یہ چاروں صفات آگے والی آیت کی تمہید کے طور پر بیان آئی ہیں۔ ان کی وضاحت آیت کی تفسیر کے تحت ہی مناسب رہے گی۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲)

فرمایا کہ اسی خدا نے جو اس کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو پاک کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

تدبر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ تمہید کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات گنائی ہیں انہی کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لیے اس رسول کی بعثت ہوئی ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

رسول اللہ صلعم کی بعثت اللہ تعالیٰ کی صفات کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے ہوئی

وہی خلق کا بادشاہِ حقیقی ہے۔ اس کی اس صفت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے اپنی رعیت کو اپنے احکام و ہدایات سے آگاہ کرنے کے لیے اس کی طرف اپنا رسول بھیجا جس کی صفت یہ ہے کہ 'یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ' وہ لوگوں کو اس کی تعلیمات و ہدایات پڑھ کر سنا رہا ہے۔

وہ پاک اور قدوس ہے اس وجہ سے اس نے یہ چاہا کہ وہ اپنے رسول اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے لوگوں کو پاکیزہ بنائے چنانچہ اس کا رسول لوگوں کو عقائد و اعمال اور اخلاق کی خرابیوں سے پاک کر رہا ہے (یُزَكِّیْهِمْ)۔

پھر وہ 'عزیز' اور 'حکیم' ہے اس وجہ سے اس نے ایسا رسول بھیجا ہے جو اس کے بندوں کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دے رہا ہے۔ یہاں لفظ کتاب شریعت اور قانون کے مفہوم میں ہے۔ شریعت اور قانون کا موثر نفاذ اسی کی طرف سے ہوتا ہے جو غالب و مقتدر ہو لیکن اللہ تعالیٰ صرف غالب و مقتدر ہی نہیں بلکہ 'حکیم' بھی ہے اس وجہ سے وہ اپنے رسول کے ذریعہ سے جس قانون کی تعلیم دے رہا ہے وہ مجرد اس کے زورِ اقتدار کا مظہر نہیں بلکہ اس کی حکمت اور بندوں کی دنیوی و اخروی مصلحت کا بھی مظہر ہے۔

یہ آیت بنی اسمٰعیل پر امتنان اور اظہارِ فضل و احسان کے محل میں ہے اس وجہ سے یہاں ان کے لیے لفظ 'اُمِّیّٖنَ' بطور ایک وصفِ امتیازی کے استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ پر اس کے محل میں بحث ہو چکی ہے لیکن اتنی بات کی یاد دہانی یہاں بھی ضروری ہے کہ یہ اصطلاح اگرچہ اہل کتاب بالخصوص یہود کی وضع کردہ

تھی جس میں ان کے اندر مذہبی پندار کی جھلک بھی تھی اور اہلِ عرب کے لیے ان کا جذبۂ تحقیر بھی نمایاں تھا، لیکن بنی اسمٰعیل چونکہ کتاب و شریعت سے ناآشنا تھے اس وجہ سے بغیر کسی احساسِ کہتری کے انھوں نے اس لقب کو اپنے لیے خود بھی اختیار کر لیا۔ پھر جب قرآن نے ان کے لیے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کے لیے اس لفظ کو بطور ایک وصفِ امتیازی کے ذکر فرمایا تو اس کا رتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ اہلِ عرب کے لیے اس نے گویا ایک تشریفِ آسمانی کی حیثیت حاصل کر لی جس سے قدرت کی یہ شان ظاہر ہوئی کہ جن کو ان پڑھ اور گنوار کہہ کر حقیر ٹھہرایا گیا وہ تمام عالم کی تعلیم و تہذیب پر مامور ہوئے اور جن کو اپنے حاملِ کتاب و شریعت ہونے پر ناز تھا وہ کَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا' 'چارپائے برو کتابے چند' کے مصداق قرار پائے۔

یہاں یہ لفظ عربوں کے جذبۂ شکرگزاری کو ابھارنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ انھیں اپنے رب کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے ان پر نظرِ کرم فرمائی۔ ان کی اصلاح و تربیت اور ان کو کتاب و حکمت سے بہرہ مند کرنے کے لیے انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرمایا اور جاہلیت کی اس تاریکی سے ان کو نکالا جس میں وہ اپنی امیّت کے سبب سے اب تک گھرے ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو یہ نعمت مل گئی ہے وہ اس کو حرزِ جاں بنائیں اور کوشش کریں کہ دوسرے بھی اس کی قدر کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ناقدری کے سلسلے سے وہ اس سے محروم ہو کر رہ جائیں اور حاسدوں کا مقصد پورا ہو جائے۔

یہاں نبیِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات مذکور ہوئی ہیں ان پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اس پر ایک نظر ڈال لیجیے تاکہ آپ کی بعثت کے مقاصد سے متعلق جو غلط فہمیاں منکرینِ حدیث نے پھیلائی ہیں وہ دور ہو جائیں۔ بنی اسمٰعیل کے اندر بعینہٖ انہی صفات کے پیغمبر اٹھائے جانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ سورۂ بقرہ میں یہ دعا یوں مذکور ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	اے ہمارے رب! اور تو بھیجیو ان کے اندر ایک
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	رسول انہی میں سے جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ	سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے
اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرة - ۲: ۱۲۹)	اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب و حکیم ہے۔

آنحضرتؐ دعائے ابراہیمی کے مظہر ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے بھی مظہر ہیں جو آپ نے اولادِ اسمٰعیل سے متعلق فرمائی تھی۔ گویا گوناگوں صفتیں آپ کے اندر جمع ہیں۔ یہ نویدِ مسیح ہیں اور دعائے ابراہیم ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں، اور پھر یہ کہ وہ تمھارے ہی اندر کے ایک فرد ہیں۔ تمھارے اور ان کے درمیان اجنبیت و غیریت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ تمھیں حقیر ٹھہرانے والے تمھیں یہ طعنہ نہیں دے سکتے کہ تمھیں ان کے یا کسی اور کے واسطہ سے روشنی ملی بلکہ اللہ نے تمام خلق پر تم کو سربلند کیا کہ تمھارے ذریعہ سے سارے جہان میں اجالا کرنے کا سامان کیا۔

آنحضرتؐ کی بعثت تمام خلق کی طرف ہے

یہ امر یہاں واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اگرچہ امیوں کے اندر ہوئی لیکن آپ کی دعوت تمام خلق کے لیے ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے: ایک بعثتِ خاص، دوسری بعثتِ عام۔ آپ کی بعثتِ خاص بنی اسمٰعیل کی طرف ہوئی اور اس بعثت کے فرائض کی تکمیل حضورؐ نے بذاتِ خود فرمائی۔ آپ کی بعثتِ عام، جو تمام خلق کی طرف ہوئی، اس کے فرائض انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو 'شهداء الله في الارض' کے منصب پر سرفراز فرمایا جو اب قیامت تک کے لیے اس فرض کی انجام دہی پر مامور ہے۔ 'شهداء الله في الارض' کے ہراول دستہ کی حیثیت چونکہ امیوں ہی کو حاصل ہوئی اس وجہ سے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ جو امی تھے اللہ تعالیٰ نے انہی کے واسطہ سے تمام خلق کو روشنی دکھائی۔

'وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ'۔ یہ امیوں کے جذبۂ شکر و سپاس کو ابھارنے کے لیے اس تاریکی کی طرف توجہ دلائی ہے جو ماضی میں ان پر چھائی رہی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ جاہلیت کی اس گھٹا ٹوپ تاریکی کا خیال کریں جس میں وہ گرفتار رہ چکے ہیں تب انھیں اپنے رب کے فضل و احسان کا کچھ اندازہ ہوگا کہ اس نے ان کو کس چاہِ ظلمت سے نکالا اور کس آسمانِ رفعت و عزت پر پہنچایا!

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۳)

اُن امیوں کو باندازِ لطیف دعوت جو ابھی اسلام سے محروم تھے

اس کا عطف 'اُمِّيِّيْنَ' پر ہے۔ یعنی جن امیوں کے اندر اس رسول کی بعثت ہوئی ہے انہی میں سے وہ دوسرے بھی ہیں جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ یہ اشارہ ان بنی اسمٰعیل کی طرف ہے جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ بات نکلی کہ اوپر اگرچہ لفظ 'اُمِّيِّيْنَ' عام استعمال ہوا ہے لیکن اس سے مراد صرف وہ بنی اسمٰعیل ہیں جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ چنانچہ آیت کا آخری ٹکڑا 'وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ' اس پر دلیل بھی ہے۔ اب اس آیت میں نہایت خوب صورت اور بلیغ اسلوب سے بنی اسمٰعیل کے ان لوگوں کو بھی دعوت دے دی جو ابھی اسلام سے بیگانہ تھے۔ لفظ 'مِنْهُمْ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ انہی امیوں میں سے جن کے لیے یہ آسمانی نعمت اتری ہے، کچھ دوسرے بھی ہیں لیکن ابھی وہ اس سے بدکے ہوئے ہیں۔ گویا نہایت لطیف اسلوب سے ان کو دعوت دی گئی کہ جن کے لیے یہ خوانِ نعمت بچھایا گیا ہے اور جو سب سے پہلے مدعو ہیں، حیف ہے اگر وہ اس سے محروم رہیں۔

'لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ' (ابھی وہ ان سے ملے نہیں ہیں) کے الفاظ کے اندر یہ بشارت بھی مضمر ہے کہ گو ابھی وہ ملے نہیں لیکن عنقریب مل جائیں گے۔ گویا یہ مستقبل قریب میں ان کے قبولِ اسلام کی اسی طرح کی بشارت ہے جس طرح کی بشارت سورۂ ممتحنہ کی آیت ۷ میں گزر چکی ہے۔

ہدایت کے باب میں سنتِ الٰہی

'وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ایمان و ہدایت کے باب میں اس نے اختیار فرمائی ہے۔ وہ چاہے تو ساری خلق کو ہدایت بخش دے، وہ عزیز و غالب ہے،